قسط نوازدھم:۔

میر کا سیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

گذشتہ سے پیوستہ

ارواح خبیثہ پر اعتقاد جہلاء مسلمانوں کا اس بات پر پورا اعتقاد تھا کہ کچھ بزرگ ایسے گذرے ہیں جن کی روح عورتوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مثلاً شیخ سدو، ایسی صورت میں اس آسیب زدہ عورت کو خلاصی دلانے کے لئے مٹھائیاں تقسیم کی جاتیں یا بکرے کی قربانی کی جاتی تھی۔ سودا نے "مخمس در ہجو اہلیہ میر ضاحک" میں بڑی تفصیل سے اس طرح کا ایک واقعہ بیان کیا ہے:۔

ضاحک کی اہلیہ نے جب ڈھول گھر دھرایا ؛ بے وجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونڈے کو جب ہلایا ؛ تب شیخ سدو اُس پر اماساک کھا کے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک یہ سُن کے بولا تم نے زباں نکالی ؛ بے آج کو کہا ہے کل دو گے مجھ کو گالی
بکری کی شکل یاں تو نے گوری ہے نکالی ؛ بی بی کو اور تم کو گھر کر دیا ہے خالی
بکرا وہ دے گی تم کو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سُن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی ؛ میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی ؛ گالی تو اک طرف ہے یہ سُن رکھو بچا جی
آگے ہے ڈھول دھپا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہیں کوڑے ؛ گڑ کے تو گلگلے ہیں اور تیل کے پکوڑے

میٹھا کرو جو منہ کو دھیلے کے ہیں گندوڑے ؛ تب شیخ سدو بولا سنتا ہے دھی کے....

بھینسا ہی لے کے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا[1]

مختصر یہ کہ عوام کا عقیدہ تھا کہ میاں شیخ سدو، میاں زین خان، میاں صدر جہاں، ننھے میاں، چہل تن۔ میاں شاہ دریا۔ اور میاں شاہ سکندر کی ارواح عورتوں میں حلول ہو کر انہیں پریشان کرتی ہیں[2] اور نذر و نیاز کے بنا اُن اثرات سے خلاصی ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح کچھ اختراعی اور مصنوعی عورتوں کی خبیث روحوں پر عقیدہ تھا۔ مثلاً لال پری، سبز پری، زرد پری، سیاہ پری، آسمان پری، دریا پری اور نور پری۔ عورتوں کا یہی عقیدہ تھا کہ میاں شاہ دریا اور میاں شاہ سکندر اور یہ سات پریاں بھائی بہن ہیں، یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت زہرا علیہا السلام کی خدمت کرنے اور اُن کے ساتھ کھیلنے کے لئے بھیجا تھا، یہ سب اُن کے غلام اور کنیزیں ہیں[3] ان مصنوعی پریوں کے نام کے روزے رکھے جاتے اور افطار کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

مرزا مظہر جان جاناں نے ان عقائد کی بیخ کنی کیلئے ایک زبردست مہم چلائی تھی۔ اس عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے بیان کیا :— "صیام نسا و کہ بہ نیت پیران و بیبیان نگاہدارند و اکثر نامہائی ایشاں را از نزد خود تراشیدہ روزہائے خود را بنام آنہا نیت کنند و در وقت افطار از برای ہر روز طعام خاص بوضع مخصوص یقین می نمایند و تعین ایام نیز از برای صیام می کنند و مطالب و مقاصد خود را بایں روزہا مربوط می سازند و بتوسل ایں روزہا از آنہا حوائج خود می خواہند و رواں حاجت خود را از آنہا می دانند"[4]

شاہی حرم سے لے کر ادنیٰ درجے کے مسلمان تک ہر طبقے میں تعویذ، گنڈے اور ٹونے ٹوٹکوں کا رواج تھا، اظفری شاہی حرم کی مستورات کے عقائد کے بارے میں رقمطراز ہے کہ : جیو بیگم کے شوہر مرزا جواں بخت' ولی عہد بہادر شاہ' بادشاہ کی بلا اجازت قلعۂ معلی سے فرار ہو گئے تھے، جیو بیگم ان سے ملنے کے لئے ہمہ وقت بے قرار رہتی تھیں، لہٰذا "عورتوں کے مذہب کے موافق وہ ہر وقت تعویذ گنڈوں کی تلاش و طلب میں پیرزادوں کی طرف متوجہ رہتی تھیں۔"[5]

مقامات مظہری اور معمولات مظہری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا تعویذ گنڈوں پر اعتقاد از درجہ بڑھ چکا تھا کہ امراض جسمانی کے مداوا کے لئے بھی اِن کا سہارا لیا جاتا تھا۔ مثلاً تعویذ برای دفع تپ و لرزہ' برای دفع درد چشم۔

---

[1] کلیات سودا۔ ج ص ۳۰۴۔ ۳۲۱۔ [2] بحر دریائے لطافت (اردو ترجمہ) ص ۱۸۳۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۸۳۔ [4] معمولات مظہری ص ۳۹
[5] برائے تفصیل۔ واقعات اظفری۔ ص ۲۴-۲۵۔

برائے دفع جدری، اور برای محافظت زراعت وغیرہ۔[1]

اُس عہد کے شعراء کے کلام میں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے ان عقائد کی نشان دہی ہوتی ہے:

بیدار: حرز و تعویذ و فسوں کر کے تھکے سب لیکن ؛ اس پری شکل کا سر سے مرے سایہ نہ گیا۔[2]

میر: کر کے تعویذ رکھیں اس کو بہت بھاتی ہے ؛ وہ نظر پاؤں پہ وہ بات دِوانی اس کی

ہندوستانی جشن اور تہوار | صدیوں سے ہندو اور مسلمانوں کے اختلاط اور ہم سائیگی کا سب سے بڑا نتیجہ ہوا کہ ایک ہم آہنگ اور متحدہ تہذیب وجود میں آئی۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندو تہذیب نے مسلمانوں کو اس سے کہیں زیادہ متاثر کیا جتنا کہ ہندو تہذیب اثر پذیر ہوئی تھی۔ اُس کے نقوش آج بھی مسلمانوں کی تہذیب میں نمایاں ہیں حالانکہ ہندو اور مسلمان دونوں اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کی برابر کوشش کرتے رہتے ہیں۔[3]

مجملاً ہولی، دیوالی، دسہرہ، بسنت وغیرہ حالانکہ خالص ہندوستانی تہوار ہیں، لیکن اکبر بادشاہ کے عہد سے قلعۂ معلی میں اُن کا رواج ہوا۔ اور رفتہ رفتہ عام مسلمانوں نے بھی ان کو اپنا لیا تھا، اورنگ زیب کے عہد میں دربارِ معلی میں اِن تہواروں کو موقوف کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے عیش پرست جانشینوں نے پھر ان کا احیاء کر دیا۔[4]

ان تہواروں کے موقع پر شعرا نظمیں لکھتے تھے، میر اور قائم چاندپوری اور نظیر اکبر آبادی کی نظمیں خاص طور پر اہم ہیں۔ شیر علی افسوس نے آصف الدولہ کے جشنِ ہولی پر ایک نظم لکھی تھی، اُس زمانے کے اکثر شاعروں کے ہاں اِن تہواروں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً:

داغ بر دل جو ترا چاہنے والا نکلا ؛ شب چراغانِ دوالی کا دِوالا نکلا

مرزا مظہر جان جاناں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلمان عورتیں رسوماتِ کفر پر عمل کرتی ہیں اور اُن کو اپنی عید اور خوشیوں کا موقع سمجھتی ہیں۔ اُس دن اہلِ کفر کی طرح اپنی لڑکیوں کے گھر تحفے تحائف بھیجتی ہیں۔ ایام ہولی میں ہندوؤں کی طرح اپنے برتنوں کو گوناگوں رنگوں سے مزین کرتی ہیں۔ اور اُن گھڑوں میں سُرخ چاول بھر کر اپنی لڑکیوں کی سسرال بھیجتی ہیں۔

"چنانچہ در ایام دیوالی کفار جملۂ اہلِ اسلام علی الخصوص زنانِ ایشاں رسوم اہلِ کفر را بجا می آرند

---

[1] برائے تفصیل۔ مقاماتِ مظہری۔ ص ۱۱۶ - ۱۱۸ - [2] دیوانِ بیدار۔ ص ۱۰ - [3] "ہندو تہذیب کا مسلمانوں پر اثر" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ شائع کیا جائے گا۔ [4] برائے تفصیل۔ نادراتِ شاہی، بزم آخر، دیوانِ تاباں۔ ص ۲۶۸ -

و عید خود می سازند و ہدایا شبیہ ہدایائے اہلِ کفر بخانہای دختران و خواہران در رنگ اہلِ شرک می فرستند و ظرفہای خود را در رنگ کفار دراں موسم رنگ می کنند و از برنج سُرخ آنہا را پُر کردہ می فرستند و آں موسم را اعتنا و اعتبار می دہند[1]

مختصر یہ کہ اٹھارھویں صدی میں مسلمانوں کی مذہبی اور دینی حالت بہت خراب تھی اور اسلام کی اصلی صورت مسخ ہو چکی تھی۔ ہندوستانی ماحول نے اُس کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اُس دور کے مسلمان اپنے عقائد اور اعمال کے لحاظ سے مسلمان نہیں تھے بلکہ چوں کہ وہ اُن گھروں میں پیدا ہوئے تھے جو غیر مسلمانوں کی نظر میں مسلمان گھرانے سمجھے جاتے تھے اور اسی بناء پر وہ مسلمان کہے اور سمجھے جاتے تھے۔

آخر میں اُن برائیوں اور بدعتوں کی طرف بھی مجملاً اشارہ کر دینا مناسب ہوگا جن کا شاہ ولی اللہ نے ذکر کر کے اُن کے ازالے کی کوشش کی تھی، اُن کے بعد بھی یہ کوششیں شاہ عبد العزیز دہلوی اور سید احمد بریلوی کی قیادت میں ہوتی رہیں۔ مگر انگریزی سلطنت کے قیام نے اُن کو بار آور نہ ہونے دیا۔ اُن کے بعد ہندوستان کی سرزمین میں کوئی مصلح قوم وجود میں نہیں آئی جو شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ کی طرح مسلمانوں کی دینی، اخلاقی اور مذہبی زبوں حالی کو روکنے کی کوشش کرتی۔ اس زمانے میں ایسی تحریکوں کی کوئی اُمید نہ رکھنی چاہیے۔

۱- شرک | "تم غیر اللہ کے لئے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو، یہ تمہارے بدترین افعال ہیں"۔ "تم نے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے"۔

۲- ارکانِ دین سے غفلت | (الف) "تم نمازوں سے غافل ہو...... کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہو جاتا ہے کہ نماز کے لئے وقت نہیں نکال پاتا۔ اور کوئی اپنی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے"۔

(ب) "تم زکوٰۃ سے بھی غافل ہو..... تم میں کوئی مال دار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں۔ وہ اُن کو کھلاتا اور پہناتا ہے۔ مگر زکوٰۃ اور عبادت کی نیت نہیں کرتا"۔

(س) "تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو، اور اس کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو"۔

۳- فسق و فجور | "چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعے پورا کرو۔ خواہ تمہیں ایک سے زیادہ ہی

[1] معمولاتِ مظہری۔ ص ۲۸

نکاح کیوں نہ کرنا پڑے..... تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو اور نرم و گداز اندام عورتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو۔"

۴- بُری رسومات "اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کرلی ہیں جن سے دین متغیر ہوگیا ہے۔ مثلاً: یوم عاشورہ کو تم باطل حرکات کرتے ہو۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے، کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنالیا ہے، اور کچھ دوسرے لوگوں نے اُسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے۔ پھر تم شبِ برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مُردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیئے۔"

۵- غیر شرعی حرکات "پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمہاری زندگی تنگ ہو رہی ہے۔ مثلاً شادیوں میں فضول خرچی۔ طلاق کا ممنوع بنالینا۔ بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا۔ تم نے موت اور غم کو عید بنا رکھا ہے۔"[1]

(نوٹ:- یہ طویل مقالہ جو میر تقی میر کے زمانے (۱۷۲۲ - ۱۸۱۰) کا سیاسی اور سماجی ماحول پیش کرتا ہے، ابھی تک بالاقساط بُرھان میں شائع ہوتا رہا ہے۔ چونکہ میر کی زندگی کا آخری نصف حصہ لکھنؤ میں گذرا تھا، اس لئے ہم نے موجودہ مقالے کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا: پہلا حصہ، دہلی کے سیاسی اور سماجی ماحول پر اور دوسرا لکھنؤ کی معاشرت کے بیان میں۔ ابھی تک برہان میں جو قسطیں شائع ہوئی ہیں وہ دہلی کے ماحول کا بیان کرتی تھیں، ابھی اس کا وہ حصہ باقی ہے جس میں لکھنؤ کی سماجی تصویر دکھائی گئی ہے مقالے کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس پورے عہد کا ایک ایسا مکمل نقشہ پیش کر دیا جائے جس کے سیاق و سباق میں میر کی شاعری کی اندرونی فضا کو سمجھنے میں مدد ملے، اور اس اشاعت کا مقصد یہ تھا کہ اصحابِ ذوق کے مشوروں کی روشنی میں نظر ثانی کے بعد اسے کتابی صورت میں پیش کیا جائے، اس قسط کے ساتھ یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے، اب پوری کتاب "میر کا سیاسی اور سماجی ماحول" کے نام سے عنقریب شائع ہوگی ——————— محمد عمر)

---

[1] الفرقان- (شاہ ولی اللہ نمبر) ص ۱۳۸ - ۱۴۰-